© rasailojaraid.com

بسلسلہ حدیث ابوبکرہؓ

خبرواحد اور فقہ حنفی

تحریر: پروفیسر قاضی مقبول احمد

علاوہ ازیں اگر غور کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ معترضین حضرات اصول حدیث کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ انہوں نے پہلی غلطی یہ کی کہ روایت کو شہادت پر قیاس کیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ جس کی شہادت قبول نہ ہو اس کی روایت بھی ناقابل قبول ہوتی ہے۔ حالانکہ شہادت اور روایت میں اگر کچھ مشترکہ باتیں پائی جاتی ہیں تو کئی امور میں ان میں بنیادی فرق بھی ہے۔ دراصل یہ فتنہ معتزلہ اور دیگر فرق ضالہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس شوشہ کے ابھی لوگ باقی ہیں کہ روایت اور شہادت ایک ہی چیز ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کی راہ میں ہمیشہ اخبار آحاد حائل رہیں۔ اور انہوں نے ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ جس طرح شہادت میں کم از کم دو افراد ہونا ضروری ہیں اسی طرح روایت میں بھی کم از کم دو راویوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور اخبار آحاد قابل قبول نہیں۔ آئمہ سلف نے ہمیشہ اس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی۔ مگر بدقسمتی سے بعض فقہی مسالک کی طرف سے خبرواحد کو اگرچہ کلیتہ مسترد تو نہ کیا گیا لیکن اس کے ساتھ انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا گیا۔ اور اس کی قبولیت کے لئے ایسی شرائط عائد کیں کہ اس کا عملاً" نتیجہ خبرواحد کا انکار ہی تھا اور اس بارہ میں بھی وہ انصاف کا دامن پوری طرح نہ تھام سکے جہاں ضرورت پڑی خبر واحد ہی کے دامن میں پناہ لی اور جہاں فقہی مسلک خطرے میں نظر آیا وہاں فوراً خبرواحد پر کوئی نہ کوئی شرط لگا دی۔ (۱) حسب ضرورت استدلال بھی فرماتے رہے یہ عجیب انداز ہے کہ خبرواحد سے عقائد کا اثبات ہوتا ہے نہ ہی حدود وفرائض اس سے ثابت ہوتے ہیں مگر عصمت وعفت اس سے مباح قرار پاتی ہے۔

اگر کوئی لونڈی کسی شخص کو آکر یہ کہہ دے کہ میرے مالک نے مجھے آپ کو ہبہ کردیا ہے تو محض اس لونڈی کے کہنے پر وہ شخص اس سے ہم بستری کرسکتا ہے کہ وہ اب اس کا مالک ہوگیا ہے یا کوئی شخص اگر کسی کو یہ کہہ دے کہ تم میرے لئے اس لونڈی کو خرید لاؤ۔ وہ آکر یہ کہہ دے کہ یہ لونڈی میں نے تمہارے لئے خریدی ہے تو محض اس کے کہنے پر وہ لونڈی دوسرے شخص کے لئے حلال ہو جائے گی اور وہ اس کے ساتھ ہر طرح کے جنسی تعلقات قائم کرسکتا ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کو یہ کہہ کر کہ خبرواحد ہے اور صرف اکلوتے راوی ہیں کوئی معقول دلیل نہیں جس کی بنیاد پر اس کو رد کیا جاسکے خصوصاً" ایسی صورت حالات میں جبکہ امت کے تمام فقہاء نے اس کی صحت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ صرف قبول کیا، تمام محدثین نے اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے بلکہ اس سے انہوں نے عورت کی حکمرانی کے خلاف استدلال بھی کیا ہے، ان کے اس استدلال کو محل نظر تو قرار دیا جاسکتا ہے مگر یہ کہنا ابلہ فریبی ہوگی کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ خبر واحد ہے اور اس کا صرف اکلوتا راوی ابوبکرۃؓ ہے۔

---

(۱) خبر واحد پر سب سے زیادہ نظر کرم احناف اور موالک نے فرمائی ہے۔ مالکیوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ کئی مسائل میں کسی قیاس کو خبر واحد پر مقدم سمجھتے ہیں اگرچہ وہ بہت کم ہیں۔ اسی طرح وہ اہل مدینہ کے عمل کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں احناف کا سلوک بھی فرد واحد کے ساتھ نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ عجیب و غریب اور متضاد ہے۔ وہ حسب ضرورت اسے قبول بھی کرتے ہیں اور حسب ضرورت اس کے انکار کیلئے شرائط کا سہارا بھی لے لیتے ہیں۔ احناف نے خبر واحد کو قبول کرنے کیلئے جو شرائط عائد کی ہیں وہ یہ ہیں:

اگر فقہ حنفی کے کسی اصول سے خبر واحد متصادم ہو تو اصول پر عمل ہوگا اور خبر واحد مسترد کردی جائے گی اس شرط کی بناء پر احناف نے بے شمار اخبار آحاد جو بالکل صحیح تھیں مسترد کردیں۔ علماء احناف یہ بات بھی کہتے ہیں کہ ہر خبر واحد جو فقہ حنفی کے خلاف ہے وہ منسوخ یا مئوول متصور ہوگی جیسا کہ اصول کرخی میں مذکور ہے۔ ایک طرف خبر واحد کے قتل عام کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف ان مزعومہ اصولوں کی اپنی حیثیت یہ ہے کہ ان کی دلیل نہ صرف یہ کہ مرفوع احادیث نہیں بلکہ محض اقوال صحابہ ہیں۔ مثلاً ایک اصول "العادۃ محکمہ" کا ہے۔ اس کا ثبوت محض حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول ہے۔ ما راہ المسلمون حسنا " فھو عند اللہ حسن(جو بات مسلمان پسند کریں وہی اللہ کو پسند ہے)
اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان نام نہاد اصولوں کی اساس کتنی کمزور ہے، اگر ان اصولوں کو کسی قطعی دلیل کی بنا پر وضع کیا جاتا تو یقیناً" ان میں ائمہ کا اختلاف نہ ہوتا۔ فقہ حنفیہ کے مقابل فقہ شافعیہ کے اصول بالکل متضاد ہیں، فقہ حنفی کے اصول کے مطابق ہر چیز حلال ہے ماسوائے اس کے جس کو شریعت نے حرام قرار دیدیا۔ اور فقہ شافعیہ کے نزدیک ہر چیز حرام ہے ماسوائے ان کے جن کو شریعت نے حلال قرار دیدیا۔ یہ دونوں متضاد اصول ہیں آخر کس کو شرعی اصول مانا جائے۔ کئی اصول ہیں جن کے مقابل میں دوسرے اصول ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین (قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) کے کئی باہمی اصول متضاد ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا اصول ہے کہ انہیں اسی حال پر رہنے دیا جائے گا جبکہ صاحبین کے نزدیک اصول یہ ہے کہ انہیں اپنے حال پر نہیں چھوڑا جائے گا۔ مثلاً ایک مجوسی اپنی ماں سے نکاح کرے۔ اس کے نطفہ سے لڑکا پیدا ہوجائے اور پھر وہ مجوسی مسلمان ہو جائے تو اگر کوئی مسلمان اس نو مسلم مجوسی پر زنا کی تہمت لگائے (کہ اس نے اپنی ماں سے جنسی تعلق قائم کیا ہے) تو اس مسلمان پر تہمت کی حد اسی درے لگے گی کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ زنا نہیں۔ مگر صاحبین کے نزدیک حد لگے گی کیونکہ یہ زنا ہے۔ اس طرح ماں بہن یا دیگر محرمات میں کسی کے ساتھ کوئی مجوسی نکاح کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر اپنی منکوحہ کا نان ونفقہ فرض ہے اور ان کا نکاح برقرار رہے گا۔ جبکہ صاحبین اس کے خلاف ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ اصولوں کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا اصول ہے کہ جن امور کی شرعاً" اجازت ہے اس میں سلامتی شرط ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک شرط نہیں۔ مثلاً اگر قاتل کو قصاص میں ولی مقتول قتل کرنا چاہے اور اس کا ہاتھ پہلے کاٹ دے پھر اس کو معاف کردے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر ہاتھ کاٹنے کی ارش ادا کرنا ضروری ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک نہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے مابین اصول میں اختلاف ہے' امام ابویوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ اصل چیز ہی منع ہو تو ضمنی چیز بھی ممنوع ہوتی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا اصول یہ ہے کہ اصل چیز ممنوع ہوتو بھی ضمنی چیز جائز ہے مثلاً دار الحرب میں اگر کوئی شخص ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں بیچ دے تو قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ بیع ہی غلط ہے لہٰذا ایک کے بدلے دو درہم لینا جائز نہیں مگر امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے کہ اگرچہ عقد بیع جائز نہیں لیکن ضمن میں جو چیز ہے وہ جائز ہے

اس طرح امام محمدؒ اور امام ابویوسف کے کئی اصول باہم متضاد اور متصادم ہیں۔ امام ابویوسفؒ کا اصول ہے کہ اگر غیر کی کسی چیز میں تغیر کرکے اسے حق اللہ میں تبدیل کردیا جائے تو مالک کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے جبکہ امام محمد کا اصول ہے کہ مالک کا حق ملکیت ختم نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص نے مکان بیچا۔ قانونی حق دار نے شفعہ کردیا۔ خریدار نے مکان گرا کر مسجد بنادی۔ جب شفعہ کرنے والے کے حق میں فیصلہ ہوا تو امام محمد کے اصول کے مطابق اسے اختیار ہے کہ وہ مسجد کو وہاں مکان بنالے مگر امام ابویوسف کے نزدیک نہیں۔ کیونکہ اس کا حق ملک ختم ہوچکا ہے

امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ایک اصولی اختلاف پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اس طرح اور کئی اصول ایسے ہیں جن میں ان کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کا اصول ہے کہ ساری دنیا دو حصوں میں تقسیم ہے۔ دارالحرب اور دارالاسلام۔ جبکہ امام شافعیؒ کا اصول ہے کہ ساری دنیا ایک ہی یعنی دارالاسلام ہے۔ اس اصولی اختلاف کی بنا پر کئی فروعی مسائل میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ مثلاً

اگر دار الحرب کے لوگ دار الاسلام سے مال لوٹ لیکر لے جائیں اور حفاظت میں لے لیں تو وہ اس کے مالک بن جائیں گے۔ مگر امام شافعی کے نزدیک مالک نہیں بن سکتے۔

اگر دارالحرب کی فوج جنگ میں دارالاسلام کا مال لوٹ کر لے جائے پھر وہ مسلمان ہو جائے اور اس کے پاس وہ لوٹا ہوا مال محفوظ ہو تو وہ اس کے مالک ہوں گے اور یہ مال واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر امام شافعیؒ کے نزدیک وہ واپس کرنے کے پابند ہیں۔

اگر دارالحرب میں سے کوئی شخص مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آجائے گا اور اپنا مال وجائیداد وہاں چھوڑ آیا ہوگا تو اگر مسلمان اس دارالحرب کو فتح کرلیں تو اس شخص کا اس مال پر کوئی حق نہیں وہ مال غنیمت ہوگا، مگر امام شافعیؒ کے نزدیک وہ اپنے مال کا حقدار ہے اور اس کا حق ملکیت ختم نہیں ہوا۔

دارالحرب میں (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک) وہ تمام سزائیں جو شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہیں (مثلاً حدود) ان کا نفاذ جائز نہیں۔ مثلاً اگر دارالحرب میں کوئی شراب نوشی کرے۔ زنا کرے تو اس پر حد نہیں۔ دو مسلمان قیدی ہوں ایک دوسرے کو قتل کردے تو قصاص نہیں مگر امام شافعی کے نزدیک ان پر حد بھی ہے اور قصاص بھی۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا اصول ہے کہ صحت نسب کیلئے صرف بیوی ہونا کافی ہے اگرچہ خاوند اور بیوی کے درمیان ہم بستری کبھی بھی نہ ہوئی ہو۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک صحت نسب کیلئے ضروری ہے کہ زوجین کے درمیان ہمبستری کا امکان ہو۔ اس اصولی اختلاف کی بنا پر کئی فروعی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا۔ مثلاً

اگر کوئی شخص کئی سال تک گھر سے غائب رہے اور اس کی بیوی کسی بچے کو جنم دیدے تو وہ اس شخص کا ہی بیٹا متصور ہوگا۔ مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں ایسا نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص بیرون ملک سے اپنا کوئی نمائندہ بھیجے کہ ملک میں جاکر میری شادی کردو۔ وہ شادی کردے۔ اس عورت کے ہاں بچہ جنم لے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نسب ثابت ہوگا مگر امام شافعی کے نزدیک نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص بغیر عورت دیکھے نکاح کے فوراً بعد طلاق دیدے۔ چھ ماہ بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو وہ اس کا بیٹا متصور ہوگا مگر امام شافعی کے نزدیک نہیں

حضرت امام ابوحنیفہ کا اصول ہے کہ ہر وہ چیز جس کے تلف کرنے پر ضمان ہو اس کی بیع بھی جائز ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کا اصول ہے کہ بیع صرف اس چیز کی جائز ہے جو طاہر ہو۔ اس اصولی اختلاف کی وجہ سے کئی فروعی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا، مثلاً:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک شکاری کتے کی خرید و فروخت جائز ہے مگر امام شافعی کے نزدیک نہیں کیونکہ وہ ناپاک ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک بربط اور شطرنج کی بیع جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذمی آپس میں شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کرسکتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اصول ہے۔ کہ ہر وہ فعل جس کی تکمیل ایسی صورت میں ہو جس کی شرعاً اجازت ہے تو اگرچہ وہ فعل غلط اور ناجائز ہو تو بھی اس کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کیلئے نہ کہ خدمت کے لئے اجرت پر رکھ لے تو اس شخص پر حد نہیں۔ کیونکہ مزدوری کیلئے رکھنا شرعاً جائز صورت ہے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص علم کے باوجود اپنی ماں بہن سے نکاح کرلے اور ہمبستری بھی کرلے تو اس پر حد نہیں کیونکہ نکاح کی صورت موجود ہے اور شرعاً جائز ہے مگر امام شافعی کے نزدیک نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے۔ عدت گزر جائے۔ پھر اس سے نکاح کرلے تو اس پر حد نہیں ہے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک ہے

اس طرح اگر کوئی شخص اپنی خوشدامن سالی سے نکاح کر کے ہمبستری کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر زنا کی حد نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ہے۔

اس ساری تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ خبر واحد قبول ہوگی جو اصولوں کے خلاف نہ ہو تو آخر وہ کون سے اصول ہیں؟ ہر امام کے اپنے اصول ہیں۔ جو دوسرے امام کے اصولوں سے متصادم ہیں۔ ایک اصول کے تحت ایک فعل مستوجب حد ہے۔ دوسرے کے مطابق مستوجب حد نہیں ہے۔ ایک کے مطابق حرام ہے دوسرے کے مطابق حلال ہے۔ اگر خبر واحد کو ان اصولوں کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھایا گیا جو کہ بذات خود غیر قطعی ہیں اور ہر فقہ کے مطابق دوسروں کے اصول غلط ہیں تو پھر دنیا میں ایک بھی خبر واحد قابل قبول اور حجت نہ قرار پا سکے گی۔ کچھ احناف کے اصولوں' کچھ شوافع کے اصولوں کچھ موالک کے اصولوں کچھ دیگر اماموں کے اصولوں کے خلاف ہونے کی بنا پر مسترد ہو جائیں گی۔ لہٰذا یہ خبر واحد کے متعلق کہنا ہی غلط اور بے بنیاد ہے کہ صرف وہ حدیث قابل عمل ہے جو اصولوں کے مطابق ہوگی۔

خبر واحد کے قبول کرنے کے لئے دوسری شرط ائمہ احناف نے یہ لگائی ہے کہ وہ ظاہر قرآن اور عموم قرآن کے خلاف نہ ہو۔ اس شرط کی آڑ میں بے شمار احادیث کا محض یہ کہہ کر انکار کردیا گیا کہ ظاہر قرآن کے خلاف ہیں۔ اور عموم قرآن کے منافی ہیں۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سنت قرآن کو منسوخ کرسکتی ہے اور ایسا کہنا درست نہیں۔ مگر یہ سب مغالطہ آمیزی ہے جس کا مقصد فرقہ ورایت کا تحفظ اور فقہی تعصب کا بچاؤ کرنا مقصود ہے۔ اس لئے کہ جن آیات میں عموم پایا جاتا ہے یا جن کا ظاہری حکم خبر واحد کے خلاف نظر آتا ہے وہ دراصل اس کے خلاف نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے حکم کا ہی ایک اظہار ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام میں اور دوسرا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کیا ہوتا ہے۔ جبکہ خود فقہا احناف نے کئی مسائل میں اخبار احاد سے قرآن مجید کے عمومات کی تخصیص کی ہے تو پھر مطلق یہ کہنا کہ ہم صرف وہ خبر واحد حجت تسلیم کرتے ہیں جو عموماً قرآن کے خلاف نہ ہو انتہائی مضحکہ خیز بات ہے۔ قاتل کو میراث سے محروم کرنا۔ مچھلی کو حلال قرار دینا۔ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کے ساتھ بیک وقت نکاح کو حرام قرار دینا سب قرآنی عموم کے خلاف اخبار احاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنیاد پر ہی ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ظاہر قرآن کے خلاف قرار دے کر اخبار آحاد کا انکار تو کرتے ہیں مگر محض اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت اور حسب ضرورت ظاہر قرآن کے خلاف فتوے بھی دیتے ہیں۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ خبر واحد سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو یہ شرط اس بناء پر غلط ہے کہ ممکن ہے ایسی خبر واحد محض کسی بات کے جواز پر دلالت کرتی ہو۔ مثلاً سنت مشہورہ یہ ہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نمازیں اول اوقات میں ادا کیں مگر ایک دو مرتبہ آخری وقت میں بھی پڑھیں تاکہ جواز ثابت ہو جائے۔ سنت مشہورہ تو یہ ہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا اور پانی پیا۔ لیکن یہ بھی منقول ہے، کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کے پیشاب کیا۔ اس کی وجہ کچھ بھی بتائی جائے مگر جواز تو ثابت ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کام زندگی میں صرف ایک مرتبہ کئے ہیں۔ جو اخبار سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہ سنت مشہورہ کے خلاف ہیں۔ لہٰذا یہ محض عذر لنگ ہے کہ خبر واحد وہ قبول ہوگی جو سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو

ایک اور شرط یہ ہے کہ تعارض کی صورت میں وہ خبر واحد قابل عمل ہوگی جس کا راوی زیادہ فقیہ یا فقیہ ہوگا۔ بظاہر یہ معمولی بات نظر آتی ہے لیکن اس کا اصل نشانہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ کی روایات ہیں، ابوہریرہؓ سے سب سے زیادہ اخبار آحاد مروی ہیں جو درجہ صحت کو پہنچتی ہیں اور ان کی غالب ترین اکثریت فقہ حنفی کے مسائل کے خلاف ہے لہٰذا ابوہریرہ کو غیر فقیہ یا نچلے درجے کا فقیہ قرار دیکر ان کی روایات سے گلو خلاصی کی راہ پیدا کی گئی۔ حضرت ابوہریرہؓ پر احناف کی نظر کرم کی ایک اور اہم وجہ بھی ہے۔ اموی اور عباسی خاندانوں میں جنگ اقتدار میں حضرت ابوہریرہؓ امویوں کے طرف دار تھے جب کہ ابراہیمؒ نخعی اور ان کے زیر اثر حلقہ عباسیوں اور علویوں کا حامی تھا۔ اس لئے احناف جو کہ دراصل ابراہیم نخعی کے مکتب فکر سے وابستہ ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے ہمیشہ الرجک رہے ہیں اس بناء پر فقیہ یا غیر فقیہ کی شرط دراصل حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کو ناقابل قبول قرار دینے کی ایک کوشش ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ راوی حدیث کا فتویٰ اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔ اسی بناء پر احناف نے وہ صحیح خبر واحد مسترد کردی جسمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے منہ ڈالے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک فتویٰ مروی ہے، ایسا برتن تین مرتبہ دھویا جائے۔ امام طحاوی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

جب ابوہریرہؓ اس برتن کو جس میں کتا منہ ڈال دے تین مرتبہ دھونا کافی سمجھتے ہیں اور انہوں نے ہی سات برتن دھونے کی روایت بیان کی ہے تو ہم ان کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ ایسا کہیں جبکہ انہوں نے ایسی ہی بات رسول اللہ سے نہ سنی ہو۔ ورنہ وہ عادل رہیں گے اور نہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی روایت قابل قبول ہوگی لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی سات مرتبہ دھونے (معانی الا ثار ج ا صفحہ ۱۳) والی حدیث منسوخ ہے

ملا علی قاری نے بات مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا:- ابوہریرۃؓ کا سات مرتبہ دھونے والی حدیث پر عمل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس بلاشبہ کوئی ناسخ دلیل ہوگی لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے" (ایضاً" حاشیہ نمبر۲)

یہ بات جو کہی گئی ہے شریعت مطہرہ کے ساتھ ایک سنگین مذاق سے کم نہیں کہ ایک صحیح حدیث ثابت ہے' دوسری کا محض امکان ہے کہ ابوھریرہ نے سنی ہو اور دیدہ دلیری کی انتہاء ہے کہ محض امکانی بات سے ثابت شدہ حدیث کو منسوخ قرار دیا جائے اور یہ بھی کہا جائے ایسا کرنا تفقہ فی الدین میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ جبکہ اس امکان کے علاوہ اور امکانات بھی موجود ہیں۔ ممکن ہے حضرت ابوہریرۃؓ نے سات مرتبہ برتن دھونے والی حدیث کو افضلیت پر محمول کیا ہو۔ لہٰذا فتویٰ اور حدیث میں کوئی تضاد اور تناقض باقی نہیں رہتا کہ لازماً" حدیث کو منسوخ ہی قرار دیا جائے' یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ کو بشری تقاضا کے تحت اس وقت یہ حدیث یاد نہ رہی ہو کہ سہو و نسیان سے کوئی صحابی محفوظ نہیں۔ اس کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث سے مراد غیر تربیت یافتہ یعنی وہ کتا ہو جو شکار کیلئے نہیں اور ابوہریرۃؓ نے جس کتے کے متعلق فتویٰ دیا ہے اس سلسلے میں تربیت یافتہ شکاری کتا مراد ہو۔ اس امکان کو تقویت اس حدیث سے ملتی ہے جو امام طحاوی نے خود نقل فرمائی ہے:-

عن عبداللہ بن مغفل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب ثم قال ما للکلاب ثم قال اذا ولغ الکلب فی اناء احد کم فلیغسلہ سبع مرات وعفروہ الثامنۃ بالتراب (ایضاً")

"عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا ان کتوں کا کیا فائدہ پھر فرمایا جب کتا تمہارے کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھو ڈالو اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے ------"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آپؐ نے یہ حکم ان کتوں کے متعلق دیا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلاک کرنے کا حکم دیا' یہ آوارہ کتے ہی ہوسکتے ہیں شکاری اور تربیت یافتہ کتوں کو ہلاک نہیں کیا جاتا۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ نے یہ فتویٰ کتے کے بارے میں نہ دیا ہو بلکہ بلی کے بارہ میں ہو راوی کو شک ہوگیا ہو اور اس نے کتے کا ذکر شک کی بناء پر کیا ہو۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے بذات خود ابوہریرۃؓ کا جو فتویٰ نقل کیا ہے وہ یوں ہے:-

عن عطاء عن ابی ھریرۃ فی الاناء یلغ فیہ الکلب او الھرۃ قال یغسل ثلث مرار

"عطاء ابوہریرۃؓ سے بیان کرتے ہیں کہ برتن میں کتا یا بلی منہ ڈالے تو اس کو تین مرتبہ دھویا جائے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس فتویٰ میں دونوں امکان ہیں کہ ابوہریرہؓ نے یہ فرمایا ہو کہ برتن میں کتا منہ ڈالے یا بلی دونوں صورتوں میں برتن تین مرتبہ دھویا جائے یہ امکان بھی ہے کہ یہ کسی راوی کو شک ہو کہ ابوہریرہؓ نے بلی کہا تھا یا کتا۔

لہٰذا جب یہ کئی امکانات موجود ہیں تو صرف اس امکان میں اتنی قوت باقی نہیں رہ جاتی کہ آپ نے ضرور کوئی دوسری ایسی حدیث سنی ہو گی جس سے سبع مرار (سات مرتبہ دھونے والی) حدیث منسوخ قرار پاتی ہے۔ یہ محض خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ اور خوش فہمیوں سے صحیح احادیث منسوخ نہیں ہوا کرتیں۔

اگرچہ اس شرط کو حنفیہ کا شاہکار قرار دیا گیا ہے اور اس کو بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے مگر غور کیا جائے تو یہ شرط انتہائی غیر فقیہانہ ہے جس کی دو اہم وجوہ ہیں۔

(ا) مفتی کا فتویٰ کتاب و سنت سے ماخوذ ہوتا ہے۔ دراصل اس کا اپنا فہم اور اپنی سوچ ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ایک ہی آیت اور ایک ہی حدیث سے استدلال کرتے وقت صحابہ کرام سے لے کر اب تک علماء و فقہا باہم متضاد فتوے دیتے آئے ہیں۔ صحابی کے فہم سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ کسی عالم یا کسی تابعی کے فہم سے اختلاف ہو سکتا ہے مگر یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس کے فہم کی بنیاد پر آیات و احادیث ہی کو منسوخ یا موضوع قرار دیا جانا شروع کر دیا جائے۔ شاید اس پرانی روایت کو ہی ہمارے عہد حاضر کے محققین حضرات زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ حدیث اہل فارس سے ابوبکرؓ نے جو اجتہاد کیا ہے اپنے فہم سے جو مسئلہ اخذ کیا ہے اس سے مضبوط دلائل سے اختلاف کریں۔ حدیث کے مصداق کا یقین کریں۔ اس منظر و پس منظر پر بحث کریں۔ مگر یہ انہیں کوئی حق نہیں کہ ابوبکرؓ کے فہم کی مخالفت کی آڑ میں حدیث اور کتب حدیث پر ہی دشنام طرازی شروع کر دیں اور اسے موضوع حدیث قرار دینے پر ساری توانائیاں صرف کر دیں بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ یہ شرط ہی غیر فقیہانہ ہے کہ صحابی جو راوی حدیث ہے اس کا فتویٰ اگر حدیث کے خلاف ہو تو وہ حدیث منسوخ متصور ہو گی۔ اس شرط میں یہ بات ناقابل فہم ہے کہ صرف راوی حدیث صحابی کا ہی فتویٰ کیوں اس کا ناسخ ہے۔ جو صحابی ایک حدیث سن لے اور وہ اس کے باوجود اس کے خلاف بات کرے تو اس صورت میں بھی حدیث منسوخ متصور کیوں نہ ہو گی۔ آخر حدیث سن لینے میں اور روایت بیان کرنے میں اصولی طور پر کیا فرق رہ جاتا ہے۔

اگر امام طحاویؒ سے یہ پوچھا جائے کہ جب حضرت ابوبکرؓ صدیق نے میراث طلب کرنے پر حضرت فاطمہؓ کو یہ حدیث سنائی۔ "نبی نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے" تو اس حدیث کو سن لینے کے باوجود میراث کا تقاضا کرنا (جس کو حضرت فاطمہؓ کا فتویٰ سمجھنا چاہئے) کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ ضرور حضرت فاطمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث ضرور سنی ہو گی جس کے مطابق حضرت ابوبکرؓ صدیق کی بیان کردہ حدیث منسوخ متصور ہو گی ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سیدہ فاطمہؓ جیسی سعادت مند بیٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے باپ اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بطیب خاطر تسلیم نہ کرتی تو اس کا امام طحاوی یا آپ کے علمی پسماندگان کے پاس کیا جواب ہے؟

اور اگر حضرت فاطمہؓ کے پاس ایسی کوئی حدیث یا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھا اور اس کے باوجود آپ نے ابوبکرؓ صدیق کی بیان کردہ حدیث سن کر بھی اس کے خلاف رائے دی تو کیا وہ عادل نہیں رہیں اور ان کی روایت ناقابل قبول قرار نہ پائے گی جس طرح طحاویؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق فرمایا ہے۔ آخر اس کا ان لوگوں کے پاس کیا جواب ہے؟

اس کا ہماری رائے میں اس کے سوا کوئی معقول جواب موجود نہیں کہ دراصل یہ اصول ہی لغو اور بے بنیاد ہے اور خبرواحد کی حجت کے لئے یہ شرط ہی بے معنی ہے کہ راوی (اور اسی طرح روایت کو سننے والا) روایت کے خلاف قول اس کا ناسخ ہوتا ہے۔

(ب) اس شرط میں دوسرا بنیادی اساسی مقصد یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک یا فعل مبارک خبرواحد سے ثابت ہے تو صحابی کا مخالف فتویٰ بھی تو خبرواحد ہی ہے۔ وہ کونسا قرآن مجید میں مذکور ہوتا ہے یا قرآن کی طرح تواتر سے ثابت ہوتا ہے تو آخر اس میں کیا معقولیت ہے کہ صحابی کے فتویٰ والی خبرِواحد کو تو سرخاب کے پر لگا دیئے جائیں اور جس خبرواحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کا ذکر ہے اسے مرجوح قرار دے دیا جائے۔ خصوصاً جب کہ باعتبار سند فتوی کی روایت کمزور اور ضعیف بھی ہو اور حدیث نبوی کی سند اس سے بدرجہا بہتر ہو۔ آخر ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے کیوں نہ حدیث نبوی کی خبرواحد کو ترجیح دی جائے اور موقوف کے متعلق کہا جائے کہ چونکہ فہم صحابی ہے لہٰذا حجت نہیں۔

اس طرح کی چند اور شرائط ہیں جن کی شرعاً معقولیت محل نظر ہے۔ اس ساری گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ جن فقہی اصولوں کے متعلق یہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ وہ شریعت کے اصول ہیں ان کی اکثریت کی صحت مشکوک اور محل نظر ہے۔ اور اسی طرح خبرواحد کو ناقابل قبول قرار دینے کے لئے جو شرائط بیان کی جاتی ہیں وہ بھی فرقہ وارانہ ذہنیت کی پیداوار ہیں اور ان سے مقصود محض فقہی عصبیت کا تحفظ ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ نے اس کج فکری پر جو ایمان افروز تبصرہ فرمایا ہے اس سے حقیقت حال مزید واضح ہو جاتی ہے آپ اعلام الموقعین (ج ۱ ص ۲۹۹) میں فرماتے ہیں۔

من لم يقف مع النصوص فانه تارة يزيد في النص ما ليس منه ويقول هذا قياس، ومرة ينقص منه بعض ما يقتضيه و يخرجه عن حكمه و يقول هذا تخصيص و تارة يترك النص جملته ويقول ليس العمل عليه او يقول هذا اخلاف القياس او خلاف الاصول---- الخ (بحواله مسح على الجوربين از جمال الدين قاسمي ص ۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ : "جو لوگ نصوص سے ناواقف ہیں وہ بعض اوقات نص میں اضافہ کرکے کہتے ہیں کہ یہ قیاس ہے۔ بسا اوقات وہ نص میں کمی کر دیتے ہیں جس سے اصل مسئلہ کا اثبات ہوتا ہے اور اس کے حکم سے اس کا خارج کرکے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تخصیص ہے۔ کبھی وہ نص کو کلیتہ" یہ کہہ کر ترک کر دیتے ہیں کہ اس پر کسی کا عمل نہیں یا یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ قیاس یا اصولوں کے خلاف ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص قیاس میں بہت زیادہ غرق ہو چکا ہوتا ہے وہ اتنا ہی سنت کا مخالف ہوتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آثار و سنن کے سب سے بڑے مخالف اصحاب الرائے اور قیاس پرست ہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ قیاس اور رائے میں غرق لوگوں کے ہاں کتنی ہی صحیح اور صریح سنن معطل ہو چکی ہیں۔ کتنے آثار (احادیث) کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ ان قیاس اور رائے پرستوں کے ہاں سنن و آثار منہ کے بل گر چکے ہیں۔ ان کے احکام معطل ہیں ان کی حکمرانی ختم ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے اقتدار سے محروم ہو چکے ہیں۔ نام تو ان کا لیتے ہیں مگر حکم دوسروں کا چلتا ہے۔"

خبر واحد کے ساتھ اہل الرائے نے جو سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا ہے اگر اس کی حیثیت سے دنیا آگاہ ہو جائے تو ہر صاحب سنت کی آنکھ اشکبار ہو جائے۔ اس لئے امام ابن قیمؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ بہت نرم اور دھیمے انداز میں کہا ہے جب کہ وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق تھے ممکن ہے کسی شخص کو ہماری یہ بات غلو پر مبنی نظر آئے اس لئے چند مثالیں دینا ضروری ہیں تاکہ ہر شخص کھلی آنکھ سے دیکھ سکے کہ اہل رائے نے اخبار آحاد کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا ہے؟

(۱) صحیح حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

العائد فی ھبتہ کالکلب یقیء ثم یعود فی قیئہ۔ مسلم ج ص ۳۶

(۲) مثل الذی یرجع فی صدقتہ کمثل الکلب یقیء ثم یعود فی قیئہ فی کلہ

ترجمہ : اس شخص کی مثال جو صدقہ دے کر واپس لیتا ہے اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے دوبارہ کھا لیتا ہے۔

ان دونوں احادیث سے ہر سلیم الفکر انسان سمجھ سکتا ہے کہ (اجنبی کو) صدقہ یا ہبہ کرنے کے بعد اسے واپس لینا حرام ہے اس حکم کے برعکس حضرت امام ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ ہبہ واپس لینا حرام اور ممنوع نہیں محض ناپسندیدہ عمل ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا دونوں احادیث کا جو علماء احناف نے جواب دیا وہ دل تھام کر سننے والا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کتا حرام اور حلال کا مکلف نہیں اسی طرح ہبہ یا صدقہ واپس لینے والے کے لئے یہ حرام حلال کا مسئلہ نہیں صرف یہ ہے کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔

الکلب غیر متعبد بتحریم ولا تحلیل فیکون العائد فی ھبتہ عائدا" فی قذر کالقذر الذی یعود فیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الکلب فلا یثبت بذالک منع الواہب من الرجوع فی الھبتہ (معانی الاثار ۲/۲۳۹)

ترجمہ: کتا حرام اور حلال کا شرعاً" پابند نہیں لہٰذا ہبہ دے کر اسے واپس لینے والا ایسے ہی ہے جیسے کتے نے گندگی کھائی لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہبہ کر کے واپس لینا منع ہے۔

ایک اور حنفی عالم دین ہیں' سید امیر علی۔ موصوف نے ہدایہ اور عالمگیری کا اردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ اور صحیح مسلم (مع شرح نووی) کے حواشی لکھنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے فرماتے ہیں کہ ہبہ یا صدقہ واپس لینا مکروہ ہے منع نہیں اس لئے کہ جس طرح کتا اپنی قے کھا لیتا ہے اسی طرح ہبہ واپس لینے والا بھی مال واپس لیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

لولم یصح الرجوع لم یکن کالکلب العائد فی القی بل کان غصبا " لمال الغیر ابتدا "

اگر رجوع جائز نہ ہوتا تو قے چاٹنے والے کتے کی طرح نہ ہوتا بلکہ غاصب ہوتا۔

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

قضی بشاھد ویمین ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا اب چونکہ یہ مسئلہ فقہ حنفی کے خلاف ہے اس لئے امام جصاص کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اور اس کی تاویلات کرنا شروع کر دیں۔ پہلے فرمایا یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے (کہ قرآن میں صرف دو گواہوں کا ذکر ہے) پھر فرمایا کہ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مختلف مقدمات میں فیصلے کئے ہوں مگر صحابی نے ان کو یکجا بیان کر دیا ہو۔ اور جب اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو فرمایا یہ محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقدمہ میں فیصلہ ہے۔ جو عمومی حکم نہیں رکھتا۔

(۳) صحاح و سنن میں یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے پیدل مجاہد کے مقابل سوار مجاہد کو تین حصے دیئے۔ ایک حصہ مجاہد کا اور دو حصے سواری کے جانور گھوڑے وغیرہ کے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو محض اس عقلی دلیل کی وجہ سے رد کر دیا کہ اس طرح جانور کو انسان پر برتری اور فضیلت مل جاتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث قابل قبول نہیں۔ بلکہ دونوں مجاہد اور جانور کو ایک ایک حصہ ہی ملے گا۔ قاضی ابویوسف نے اپنے عالی مرتبت استاذ کی اس رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا جس چیز سے بچنے کے لئے استاذ محترم نے حدیث کا انکار کیا ہے وہ تو خود ان کے اپنے قول میں بھی موجود ہے کہ ایک ایک حصہ دینے سے انسان اور حیوان برابر قرار پاتے ہیں۔ آپ نے کتاب الخراج میں فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

(۱) لا افضل بھیمتہ علی رجل مسلم

(میں چوپائے کو مسلمان مرد پر فوقیت اور فضیلت نہیں دے سکتا)

آپ کے اس ارشاد پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی ابویوسف فرماتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال یہ جملہ معترضہ تھا اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ روایت کو شہادت پر قیاس کرنا کہ جس کی شہادت معتبر نہ ہو اس کی روایت بھی غیر معتبر قرار پاتی ہے ایک اعتزالی و جہمی فکر ہے۔ فقہاء الحدیث اور ائمہ سلف نے اس کو کبھی قبول نہیں کیا کیونکہ شہادت اور روایت کئی امور میں ایک دوسرے سے یکسر جدا اور مختلف ہیں۔ مثلاً شہادت اپنی ذات پر نہیں دی جا سکتی مگر اپنی ذات کے متعلق روایت بیان ہو سکتی ہے۔ ان کی شہادت میں چار افراد کی شہادت ضروری ہے مگر واقعہ زنا کی روایت کے لئے چار افراد کا ہونا ضروری نہیں۔ شہادت میں مخصوص الفاظ سے ابتدا ہوتی ہے جن میں گواہ اپنے متعلق یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ سچ کہے گا مگر روایت بیان کرتے وقت یہ الفاظ ادا نہیں کئے جاتے۔ گواہی ہر جگہ اور ہر وقت نہیں دی جاتی جب کہ روایت بیان کرنے کے لئے ایسی کوئی پابندی نہیں۔ آخر فقہاء کے نزدیک غلام کی گواہی ناقابل قبول ہے جب کہ اس کی روایت کو وہ بھی قبول کرتے ہیں۔ بعض مقدمات میں اکثر فقہاء و محدثین کے نزدیک گواہوں کا مذکر ہونا ضروری ہے اور ان مقدمات میں عورتوں کی شہادت کو وہ قبول نہیں کرتے مگر ان معاملات میں وہ عورتوں کی روایت کو تسلیم کرتے ہیں اس طرح اور بھی کئی بنیادی مسائل ہیں جن میں شہادت روایت سے یکسر مختلف ہوتی ہے لہٰذا یہ بات

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

لیس هذا علی وجه الفضل لانه قد سوی بهيمته برجل مسلم۔ (ص ۱۹)

اس کی وجہ (گھوڑے کو دو حصے اور مجاہد کو ایک حصہ) فضیلت دینا نہیں۔ اس طرح تو آپ (امام ابو حنیفہ) نے بھی چوپائے کو انسان کے برابر بنا دیا ہے۔

گویا عقلی توجیہ کی بنیاد پر حدیث کا رد کرنا خود حضرت امام کے اپنے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف نے بھی نہ صرف ناپسند کیا بلکہ اس غلطی کی نشاندہی بھی کی۔

اس طرح کی متعدد اور کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اوقات جو خبر واحد کو محض کٹ حجتی سے مسترد کیا جاتا ہے اور اس کی قبولیت کے لئے جو نامعقول شرائط عائد کی جاتی ہیں وہ سب کچھ محض فقہی تعصب کی بنا پر کیا جاتا ہے اور اس بناء پر بھی کہ یہ گمراہ کن تاثر پیدا کر دیا گیا ہے کہ ہر فقیہ لازماً" بہت بڑا محدث بھی ہوتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے قطعاً" برعکس ہے۔ ہر محدث فقیہ ضرور ہوتا ہے جب کہ ہر فقیہ کے لئے محدث ہونا ضروری نہیں۔ جس کی اہم اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ فقیہ کے لئے حدیث کی سند زیادہ اہمیت نہیں رکھتی نہ اسناد فقہ کا کبھی موضوع رہی ہیں۔ فقہ اور اصول فقہ میں کمزور ضعیف بلکہ موضوع اور بے اصل روایات کو جو پذیرائی حاصل ہے اور جس طرح ان سے مختلف مسائل میں استدلال و استشہاد کیا جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر فقیہ محدث نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتکرار کرنا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرہؓ کی گواہی کو قبول نہیں کیا تھا مغالطہ آمیزی ہے کیونکہ شہادت اور روائت میں بعض بنیادی فرق پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا حضرت ابوبکرہؓ کی اس روایت کو اس بناء پر ناقابل قبول قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حضرت ابوبکرہؓ پر ہر جرح غیرمعقول ہے۔ نفاذ حد ہی ان کی توبہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے اپنے جھوٹے ہونے کے اقرار کا مطالبہ کیا' جس کا انہوں نے انکار کیا۔ یہ مطالبہ شرعی توبہ کا حصہ نہ تھا۔ لہٰذا ان کا فسق رفع ہو گیا۔ محض بصری ہونا اور اکلوتا راوی ہونا اصول حدیث کے مطابق کوئی جرح نہیں۔ بخاری شریف کی پہلی اور آخری دونوں احادیث اکلوتے راویوں سے مروی ہیں۔ مفردات صحابہ پر مخصوص کتب لکھی گئیں۔ اس طرح اس کا خبرواحد ہونا بھی محل نظر نہیں نہ یہ کسی ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ نہ کسی مسلمہ شرعی اصول کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ہی بے معنی ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابوبکرہؓ جنگ جمل کے بعد کئی سال تک بصرہ میں اکھٹے رہے لہٰذا ان کا سماع بھی یقینی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر معترضین کے حضرت ابوبکرہؓ کی بہ نسبت تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں۔ اور حقائق سے لاعلمی پر مبنی ہیں اور یہ روایت صحیح ہے کہ اس کی سند متصل ہے اور اس میں کوئی انقطاع نہیں۔

حضرت ابوبکرہؓ کے بارہ میں اگرچہ کئی معترضین نے انتہائی غلیظ ناپاک اور غیراخلاقی زبان استعمال کی ہے مگر ان کا یہ معاملہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ وہ ان پر کب اور کیسا مواخذہ کرتا ہے اس لئے ہم نے صرف فنی نوعیت کے اعتراضات تک گفتگو کو محدود رکھا ہے اب آخر میں اس اعتراض بلکہ احمقانہ بات کا تذکرہ بھی نامناسب نہ ہو گا جو یہ حضرات ابوبکرہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ابوبکرہؓ نے یہ حدیث سیاسی بنیادوں پر گھڑی تھی اور حضرت عائشہؓ کی شکست کے بعد ہوا کا رخ دیکھ کر اپنا موقف بدل لیا تھا۔ یہ اعتراض کرنے والے غالبا" صحابہ کو بھی اپنی طرح کا بدنیت' مکار اور موقع شناس سمجھتے ہیں اور غلط بیانی اور عیاری کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت ابوبکرہؓ نے سیاسی بنیادوں پر (نعوذ باللہ) کوئی حدیث وضع کرنا ہوتی تو وہ حضرت عائشہؓ کے حق میں وضع کرتے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں وہ ان کے موقف کے حامی تھے۔ ان کا ساتھ بھی دینا چاہتے تھے ان کے ساتھ شامل ہو کر حضرت علیؓ کے خلاف تلوار زنی کے جوہر بھی دکھانا چاہتے۔ ان کے اس ناقابل معافی جرم کی بناء پر ہی وہ ہمیشہ روافض کی آنکھ میں خار بن کر کھٹکتے رہے ہیں۔ مرزا عبدالحسین رجال بخاری حصہ اول صفحہ نمبر ۸۷ میں لکھتے ہیں کہ ابوبکرہؓ:-

"یہ بھی زبردست دشمن ہے جناب امیر علیہ السلام کا۔۔۔ ابوبکرۃ' عائشہ و طلحہ و زبیر کی طرف سے ٹھیکیدار تھا کہ حضرت کی قوت کو توڑے کہ زیادہ مجمع کے ساتھ لڑنے کا موقع نہ مل سکے۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیابی کا سہرا طلحہ و زبیر کے سر باندھا جائے۔۔۔ یہ ابوبکرہ جھوٹے ہیں جو محبت عائشہ میں ازخود رفتہ ہو گئے ہیں۔۔۔۔ اصل میں یہ عائشہ کی طرف سے ٹھیکیدار ہے۔"

اس عبارت کو پڑھ لینے کے بعد اس شخص کو اپنے علم اور اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہئے کہ ابوبکرہؓ نے یہ روایت عائشہ صدیقہ کی مخالفت میں وضع کی۔ اور پھر ان حضرات کی اپنی بددیانتی اور خیالات مجرمانہ کا یہ حال ہے کہ اپنی طرف سے کذب بیانی کرتے ہیں اور اس کی نسبت ابوبکرۃ کی طرف کر دیتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہؓ کی بخاری کی روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ بقول ان کے وہ اس حدیث کی وجہ سے فائدہ میں رہے یا محفوظ رہے کہ انہوں نے جنگ جمل میں حصہ نہ لیا کہ حضرت عائشہؓ کی شکست اس فرمان نبوی کے مطابق بقول ان کے یقینی ہے۔ اور جب واقعی حضرت عائشہؓ کو شکست ہو گئی تو انہیں اپنی رائے کی صحت پر یقین ہو گیا۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں حضرت ابوبکرہؓ کے اس موقف کو بیان کرتے ہوئے لکھا۔

ثم استصوب رایہ فی ذلک الترک لما رای غلبتہ علیؓ

"علیؓ کے غلبہ کے بعد انہوں نے جنگ میں حصہ نہ لینے کی اپنی رائے کو حق بجانب سمجھا۔"

یہ سیدھا سادھا اور آسان ترجمہ ہے۔ مگر ایک صاحب رحمت اللہ طارق نامی ہیں جنہیں یا تو عربی سے آگاہی نہیں یا خیانت کے امام ہیں وہ اس عبارت کو نقل کرنے سے قبل فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کی فتح کے بعد ان کی نظروں میں غیرجانبدار ہونے کے لئے ابوبکرہؓ نے ہوا کا رخ دیکھ کر موقف بدلنے کا سنہری چانس لیا تھا۔ پھر موصوف ابن حجر کی نسبت فرماتے ہیں۔

"ابن حجر کے الفاظ میں وضاحت ملاحظہ ہو کہ انہیں نئے فیصلے کا اس وقت خیال آیا جوں ہی علیؓ کی کامیابی کے خطوط واضح ہونے لگے"

ابن حجر کی مذکورہ بالا عربی عبارت کا یہ ترجمہ مکاری و عیاری کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ جن لوگوں کی اپنی دیانت و امانت کا یہ حال ہے کہ خود ساختہ ترجمہ ابن حجر کی طرف منسوب کرنے میں بھی کوئی شرم یا عار محسوس نہیں کرتے اگر وہ حضرت ابوبکرہؓ کے متعلق غلط بیانی اور کذب لسانی سے کام لیں گے تو یہ کوئی بعید امر نہیں۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com